سمیرا شریف طور کے ناول "زرد موسم کے دکھ" میں طبقہ نسواں کے مسائل کا جائزہ

A review of women's issues in Sameera Sharif's novel "Zard Mousam Kay Dukh"

Saima Akhtar
Scholar M.Phil. Urdu, University of Sialkot, Sialkot.
Muhammad Faizan Adil
Scholar B.S. Urdu, National University of Modern Language (NUML), Islamabad.

KEYWORDS

Gender Critical
Social Awareness
Social Issues
Social Behaviour
Bitter Facts
Mental and Physical
Exploitation

DATES

Received	19-05-2022
Accepted	05-06-2022
Published	20-06-2022

QR CODE

ABSTRACT

A realistic writer cannot remain ignorant of the problems, thoughts, ideas and trends of his time. The history of prose literature contains a wide range of examples of women's rights, their plight, their suffering, their mental and physical exploitation, and the atrocities committed against them. Sumaira Sharif Toor is also one of those writers who not only keeps a close eye on the issues and plight of the gender sensitive but also best expresses their problems. Sumaira Sharif Toor has a deep understanding of the problems of the society. Her creative journey began in 2005. She has written five novels and three collections of novelties. "Zard Mousam Kay Dukh" is her first novel. The theme of "Zard Mousam Kay Dukh"is the exploitation of women. This "novel is the story of the two seals of destiny who fight this apathetic society alone for the survival of their existence. How in this apathetic society a woman has to go through lifelong ordeal for her uncommitted sin. She has expertly described the mental conflicts and psychological complications of women. The author writes about the exploitation of women in the name of family traditions, negative attitudes of society, problems of marital discord, and issues of degraded women in the captivity of traditions.

.

*DOI:*https://doi.org/10.54064/negotiations.v2i2.56

ہر معاشرے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے شعور اور آگاہی کے حصول میں ادب ہمیشہ معاون ثابت ہوتا ہے۔ادب کی اصناف میں ناول ایک ایسی اہم صنف ہے جو انسانی معاشرے کے سماجی اور فکری رویوں کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے افراد کی ذہنی آبیاری کا بھی موجب بنتا ہے۔ناول اپنے عہد کی سماجی و معاشرتی تصویر قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔

سماجی حالات کو پس پشت ڈال کر کسی طرح بھی ادب کی تخلیق ممکن نہیں۔جب بھی کوئی لکھاری یا ادیب اپنا فن پارہ تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی تخلیق کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ معاشرے سے ہوتا ہے۔ادیب کا شعور اسے سماج کے حقائق کو بیان کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔معاشرے میں ہر وقت تغیر و تبدل کا عمل جاری رہتا ہے اور زندگی ہر دوسرے لمحے نیا رخ اختیار کرتی نظر آتی ہے۔مثبت اور منفی سوچ رکھنے والے افراد سماج میں موجود ہوتے ہیں اور سماج انہی رویوں میں ایک توازن قائم کرتے ہوئے کچھ اصول و ضوابط طے کرتا ہے تاکہ معاشرے میں امن و سکون قائم رہے۔ایک حقیقت پسند لکھاری اپنے دور کے مسائل، نظریات، رجحانات اور فلسفے سے واقف ہوتا ہے اور ان کا داخلی اور خارجی جائزہ لے کر انہیں اپنی تحریروں کا حصہ بناتا ہے۔محمد امین انصاری اپنی تصنیف "اردو ناولوں میں سماجی مسائل کی عکاسی" میں لکھتے ہیں:"سماج سے ماورا ہو کر ادب کی تخلیق ممکن نہیں جب کبھی کسی ادیب نے اعلیٰ ادب کی تخلیق کی ہے تو اس کا تخلیق کردہ ادب براہ راست یا بالواسطہ سماج کا مظہر رہا ہے ادیب کا شعور اسے سماج کی حقیقتوں کی عکاسی اور ان پر تنقید پر مجبور کر دیتا ہے"[1]

اردو ادب کی تاریخ میں اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز سے ہی حیات انسانی سے تعلق رکھنے والے ہر شعبہ میں بے شمار تبدیلیاں نظر آئیں۔ان تبدیلیوں کا تعلق چاہے کسی بھی شعبہ ہائے زندگی سے ہو پوری دنیا ان حالات سے دوچار تھی۔رونما ہونے والی یہ تبدیلیاں ایک طرف تو انسانی تہذیب و ثقافت کے طور طریقوں پر اثر انداز ہوئیں تو دوسری جانب انسانی سوچ و فکر اور اخلاقی اقدار پر بھی اس کے نمایاں اثرات نظر آئے۔ہر طرف صرف انصاف، امن و سلامتی، آزادی اور بنیادی حقوق کے حصول کے لیے آوازیں بلند کی جانے لگیں۔حالات کی چکی میں پسنے والے مظلوم اور بے بس طبقات میں معاشرے کا ایک اہم طبقہ خواتین کا طبقہ بھی تھا۔اس بے بس طبقے نے بھی اپنے حقوق کے لیے آواز تو اٹھائی مگر انہیں کمزور اور بے بس تصور کرتے ہوئے ان کے احتجاج کو کوئی پہچان نہ مل پائی لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ان کے احتجاج و مزاحمت کے رویے ادب میں اپنی نقوش چھوڑ گئے۔

وقت آگے بڑھا تو مرد قلم کاروں نے حقوق نسواں کے تحفظ کی بات کی۔جس نے نہ صرف ادب بلکہ سماجی فکر اور نظریات کو بھی کافی حد تک متاثر کیا جس کی جھلک ہمیں مختلف قلم کاروں کی تحریروں میں نظر آئی۔ہم جب ادب کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ عورت ہمیشہ سے ہی ادب کا ایک اہم موضوع رہی ہے۔مرد قلم کاروں نے اپنے ناولوں میں صنف نازک کی زندگی اور شخصیت کے ہر پہلو کو نت نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان قلم کاروں میں ڈپٹی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر، راشد الخیری، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور مرزا رسوا جیسے اہم ناول نگار نمایاں نظر آتے ہیں۔ان بڑے بڑے قلم کاروں نے ہمیشہ عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا۔

نثری ادب کی تاریخ میں وسیع پیمانے پر عورتوں کے حقوق، ان کے کرب، ان کے دکھ، ان کا ذہنی اور جسمانی استحصال، ان پر کیے جانے والے مظالم کی مثالیں ملتی ہیں۔اس منفرد، اچھوتے اور اہم موضوع پر مرد قلم کاروں نے سب سے پہلے قلم اٹھایا ان کی تخلیقات میں عورت کے مسائل

[1] محمد امین انصاری، اردو ناولوں میں سماجی مسائل کی عکاسی (لکھنو: نصرت پبلیشرز، 1988ء)، 25۔

اور ان کے حل کے لیے کی جانے والی کوششیں نظر آتی ہیں۔ ان کی تحریروں سے معاشرے میں روشن خیالی کی کرنیں ہر سو پھیل گئی اور خواتین قلم کاروں نے بھی عورتوں کی خستہ حالی اور کرب کی ترجمانی کا بیڑا اٹھایا۔ نشان زیدی ایک مضمون میں لکھتی ہیں: "عورت ایک خود مختار، زندہ، توانا وجود ہے نہ کہ جنسی معرض۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین غیر منطقی صنفی امتیاز کے خلاف آواز بلند کر رہی ہیں۔ عورت کا دائرہ کار صرف گھر تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا دخل ہے۔ بعض معاشرتی تحدیدات کی وجہ سے خواتین اب تک خاموش رہی مگر موجودہ عہد میں اس خاموشی کو زبان مل گئی ہے یہ سلسلہ رشیدہ النساء کے ناول "اصلاح النساء" سے شروع ہوا"[2]

سمیرا شریف طور ادب کی دنیا کا ایک چمکتا ستارہ ہے وہ اپنے تخلیقی سفر میں پانچ ناول اور تین ناولٹس کے مجموعے قلمبند کر چکی ہیں۔ مصنفہ نے عورتوں کا خاندانی روایات کی آڑ میں استحصال، مرد کی بالادستی، سماج کے تلخ اور منفی رویے، مردوں کے ہاتھوں عورت کی تذلیل، ازدواجی زندگی کی الجھنیں اور فرسودہ روایات کی قید میں پستی ہوئی عورت کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے قلم کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے معاشرے کے تلخ حقائق کو قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے جس نے ان کی تحریروں میں جان ڈال دی ہے۔ سمیرا شریف طور کا شمار بھی ایسی قلم کاروں میں ہوتا ہے جو نہ صرف صنف نازک کے مسائل اور حالت زار پر کڑی نظر رکھتی ہیں بلکہ ان کے مسائل کی بہترین ترجمانی بھی کرتی ہیں۔ ان کے تمام ناول انسانی نفسیات، سماجی رویوں اور ازدواجی زندگی کے مسائل کی حقیقی تصویر قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سماجی بصیرت نظر آتی ہے۔ وہ محبت و الفت کے ساتھ ساتھ زندگی کے حقائق کو بیان کرنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ سمیرا شریف کے سحر طاری کر دینے والے اسلوب بیان میں تازگی اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے۔

سمیرا شریف طبقہ نسواں کے مسائل میں نہ صرف گہری دلچسپی لیتی ہیں بلکہ عورت سے محبت کا جذبہ ان کی ذات کا حصہ ہے۔ وہ عورت کی ذہنی کشمکش اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو بڑے فنکارانہ انداز میں بیان کرتی ہیں۔ سمیرا شریف ہمارے معاشرے میں موجود عورتوں کے مسائل، حد سے بڑھتی ہوئی آزاد خیالی، نئی اور پرانی اقدار کے تصادم،، فرسودہ رسوم و روایات کی پابندی، پرانے خیالات کی قید میں پھنسے خاندان اور نئی نسل کے درمیان ٹکراؤ جیسے موضوعات پر قلم اٹھاتی ہیں اور معاشرے کی سچی تصویر قاری کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ وہ معاشرے اور گردونواح کی زندگی کا گہرا ادراک رکھتی ہیں اور اپنے کرداروں کے ذریعے ان حقائق کو بیان کرتی ہیں۔ "زرد موسم کے دکھ" "سمیرا شریف طور کا پہلا ناول ہے جو ۲۰۱۲ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا۔ اس ناول میں مصنفہ کی تخلیقی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئی ہیں. یہ ناول سمیرا شریف طور کے کمال فن کی بہترین مثال ہے۔ اس ناول کا عنوان "زرد موسم کے دکھ" دل و دماغ پر سحر طاری کر دینے والا عنوان ہے۔ "زرد موسم کا دکھ" اس بے حس اور ظالم سماج میں حالات کی تلخیوں کے تھپیڑے کھاتی دو بہنوں لائبہ افتخار اور ضوفشاں افتخار کی دلخراش کہانی ہے جس میں مصنفہ قاری کے سامنے اس ظالم اور سفاک معاشرے کے منفی رویوں اور فرسودہ خیالات کی تصویر کشی کرتی ہیں۔

یہ دو بہنوں کے دکھوں سے بھری داستان ہے جن کے صبر اور برداشت کو اپنوں اور غیروں نے ہر پل آزمایا۔ انہیں ان کے ناکردہ جرم کی پاداش میں معاشرہ بدر کر دیا گیا۔ سمیرا شریف طور کا یہ ناول مظلوم عورت کی داستان ہے جو اپنے اوپر لگے الزام کے دھبوں کو مٹاتے مٹاتے اپنوں اور غیروں کے رویوں کے سنگریزے سہتی، محبتوں کی ٹھکرائی ہوئی، اعتبار اور یقین کی ڈسی ہوئی اور شکست و ریخت برداشت کرتے کرتے خود مٹ جاتی ہے

[2] نشان زیدی،، **تانیثیت کی بنیاد گزار، محمدی بیگم** (لاہور: اردو دنیا، 2009ء)، 28۔

لیکن یہ معاشرہ اس پر زندگی کے دائرے تنگ کرتا چلا جاتا ہے۔ زندگی کی تلخ حقیقتیں، اپنوں کے منفی رویے، غیروں کے طنز اور تضحیک آمیز سلوک کے تیر رفتہ رفتہ ان کی زندگی کا رس نچوڑ کر انھیں اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں اور دکھ ان کے وجود سے چمٹ کر خون کے آنسو بہاتا رہا۔ وہ ہر پل آزمائشوں میں گری رہتی ہیں۔ وہ اس قدر پتھر دل ہو جاتی ہیں کہ محبت جیسا خوبصورت جذبہ بھی انہیں پگھلا نہ سکا۔ زرد موسم کا سورج آخر کار ڈوب جاتا ہے لیکن ان کے اعتبار اور بھروسہ کو بے اعتباری کی بھٹی میں ڈال جاتا ہے۔ مسلسل ملنے والے اعصاب شکن حادثات والدہ کا قتل، والد کی اچانک وفات، لائبہ کا اغوا، رمیز کا محبت سے منہ موڑ لینا، محلے داروں کے تضحیک آمیز رویے، رشتے داروں کی الزام تراشیاں ان سب نے ان کی زندگی کا سکون ختم کر دیا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی۔ "زرد موسم کے دکھ" میں لائبہ افتخار کی زندگی دکھوں اور تکلیفوں سے مزین ہے۔ زندگی کے ہر قدم پر آزمائشوں اور مصائب کا سامنا اس کی ہمت اور حوصلے کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ مصنفہ اس کی قلبی کیفیات کا اظہار بہت ماہرانہ انداز میں کرتی ہیں۔

"کاش پاپا اگر آج آپ زندہ ہوتے تو دیکھتے آپ کی بیٹیاں آج کس قدر ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکی ہیں۔ زمانے کے سرد و گرم نے ہمارے حال و خد کو کس طرح دھندلا دیا ہے ہماری پہچان کس قدر مسخ ہو چکی ہے۔ ہم زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں سے بدتر ہیں"[3]

انہوں نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں طبقہ نسواں کے حقوق اور آزادی پر کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے احساسات و جذبات کی حقیقی ترجمانی کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ وہ خود اسی صنف نازک کا حصہ ہیں اور اس عضو ضعیف کے قلبی کیفیات اور احساسات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس ناول کا موضوع ایک اہم ترین موضوع عورت کا استحصال ہے وہ استحصال چاہے غیروں کے منفی اور تلخ رویوں کے ذریعے کیا جائے یا اپنوں کی بے اعتباری اور بے قدری کے ذریعے۔ عورت کو ہمیشہ عورت ہونے کی سزا دی جاتی ہے۔ اس ناول میں مصنفہ نے لائبہ افتخار کے کردار کے ذریعے اس معاشرے کی لاکھوں ایسی لڑکیوں کی زندگی کے نشیب و فراز کو بڑے ماہرانہ اور فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے جو روز بے حس رشتوں کے ہاتھوں ڈسی جاتی ہیں اور معاشرے کے تلخ اور جان لیوا منفی رویوں کا سامنا کرتی ہیں۔ ایسے رویے ان کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیتے ہیں ان کی خود اعتمادی بے یقینی میں بدل جاتی ہے۔ سمیرا شریف طور کے جاندار اور ساحرانہ اندازہ تحریر نے لائبہ افتخار کی اذیت اور دکھ کے سفر کی داستان کو خوبصورتی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔ مصنفہ نے اس ناول میں مرد ذات پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اس مرد اساس معاشرے کا المیہ رہا ہے عورت کو مردوں سے کمتر اور کمزور سمجھا جاتا ہے۔ انہیں گھر کی چار دیواری تک محدود رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے لیکن اب دور بدل چکا ہے۔ عورتیں ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ رہی ہیں۔ ایک خوشحال اور مستحکم معاشرے کی تعمیر و ترقی میں برابر حصہ داری کا ثبوت دے رہی ہیں۔

مصنفہ نے اس حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورتیں بے شک معاشرے کا ایک اہم رکن ہیں اور ہر شعبے میں اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں پوری ایمانداری اور جانفشانی سے سرگرم عمل ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی شعبے ہیں جن میں عورتوں کو بظاہر تو بلند مقام و مرتبہ دیا جاتا ہے۔ انہیں تحفظ کا احساس دلایا جاتا ہے۔ تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں لیکن پھر بھی ان شعبوں میں ان کی شخصیت کو ہر طرح سے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کچھ معاملات میں عورتوں کو اپنی عزت اور وقار کی خاطر سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں اور ان محکموں کی گندگی سے خود کو بچانے کے لئے تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ وہ چاہے کتنا ہی بہادری اور ایمانداری سے کام کریں انہیں کہیں نہ کہیں جھکنا پڑتا ہے۔ کچھ محکمے ایسے بھی ہیں جہاں رشوت عام

[3] سمیرا شریف طور، زرد موسم کے دکھ (لاہور: القریش پبلی کیشنز، 2012ء)، 134۔

ہے۔ حرام مال سے اپنی جیبیں بھری جاتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مصنفہ اس بات کو بھی بیان کرتی ہیں کہ عورت کے لئے سب سے بہترین اور محفوظ اگر کوئی شعبہ ہے تو وہ شعبہ تدریس ہے۔ بے شک یہ ایک پیغمبری شعبہ ہے اور معاشرے میں اس شعبے کو سب سے زیادہ قابل عزت اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔

یہ سمیرا شریف طور کا ایسا ناول ہے جو عورت کی زندگی کے ارد گرد گھومتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کی اوراق گردانی کریں تو حقیقت بہت واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا ہر طرح سے استحصال کیا جاتا رہا ہے۔ چاہے وہ معاشی استحصال ہو یا سماجی، سیاسی استحصال ہو یا جنسی، جذباتی استحصال ہو یا روحانی۔ ماضی سے اب تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ آج بھی اتنے برس گزر جانے کے باوجود عورتیں اپنے حقوق اور آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ جس کی ایک وجہ مردوں کا احساس برتری ہے۔ وہ عورتوں کو کسی بھی شعبے میں خود سے آگے بڑھتا کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔ عورت اپنی الگ شناخت کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ مرد صنف نازک کو کمزور مخلوق تصور کرتے ہیں اور ان کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شعبہ تدریس معاشرے کا ایک اہم شعبہ ہے۔ استاد کسی بھی ملک اور قوم کی تعمیر و ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایسا شعبہ ہے جسے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور عورتوں کے لئے یہ شعبہ سب شعبوں کی نسبت محفوظ اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ مصنفہ بھی یہی سمجھتی ہیں کہ عورت کے لیے دوسرے شعبوں کے بجائے شعبہ تدریس بہترین شعبہ ہے جس میں وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے افراد معاشرہ کی شخصیت کی تعمیر و ترقی اور معاشرے کی فلاح و بہبود میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ اس شعبے میں وہ خود بھی ہر طرح سے ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ مصنفہ خود بھی شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور ان کے نزدیک اس شعبے کی بہت اہمیت ہے جسے وہ یہاں بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ "دوسرے بہت سے شعبے۔۔۔ بیوروکریسی۔۔۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ یا دیگر سول سروسز کو ہی لے لیں، وہاں کام کرتی ہوئی عورت بظاہر بہادر لگے گی۔ یہ حقیقت بھی ہے اور یقیناً وہ بہت سراہی بھی جاتی ہے مگر ان شعبوں میں اس کی اصل شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے ان شعبوں میں عورت کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں، مگر تحفظ نہیں ہے، پھر چاہے انسان کتنا ہی فرض شناس اور دیانت دار کیوں نہ ہو وہ ضرور پھنس جاتا ہے، جبکہ اس ٹیچنگ کے شعبے میں استاد کو خاص طور پر لڑکی کو تحفظ دیا جاتا ہے۔[4]

مصنفہ نے اس ناول میں ایک اور بہت اہم فکری پہلو بیان کیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ عورت کی کردار کشی اور بہتان طرازی کرتے وقت دل میں ذرا بھی خوف خدا نہیں رکھتے اور اس سنگین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں جو اللہ تعالی کا ناپسندیدہ عمل ہے۔ دوسروں کے عیبوں کو تلاش کرتے ہیں اور ان پر بہتان لگاتے ہیں۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں کیونکہ الزام تراشی اور جھوٹ سے معاشرے میں بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ برائی ایک ناسور کی طرح پھیلتی جارہی ہے۔ مصنفہ کی نظر معاشرے کی گہری حقیقت تک پہنچ کر ان کے خوبصورت بیان پر رکتی ہے۔ لائبہ افتخار کو افتخار صاحب کا ایک مخالف ذوہیب انہیں بلیک میل کرنے اور اپنے گھناؤنے مقاصد کے لئے اغوا کرلیتا ہے۔ چند دنوں بعد جب لائبہ فوزان صدیقی کی مدد سے صحیح سلامت گھر واپس لوٹتی ہے مگر کسی کو اس کی پاکدامنی کا یقین نہیں آتا۔ رمیز اس کا منگیتر اس کی سگی پھوپھی کا بیٹا ہے وہ بھی اپنی والدہ کے کہنے پر اس سے ہر رشتہ ختم کرلیتا ہے جس کا صدمہ لائبہ کے والد افتخار احمد کی جان لے لیتا ہے۔

---

[4] سمیرا شریف طور، زرد موسم کے دکھ (لاہور: القریش پبلی کیشنز، 2012ء)، 55۔

مصنفہ نے اس تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے کہ بعض اوقات ہمارے بہت قریبی رشتے جن پر ہمیں بہت مان ہوتا ہے اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ رشتے ہر مشکل وقت میں ڈھال بن کر ہمارے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ وہ مصیبت آنے پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ لائبہ افتخار کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ لاکھ کوشش کے باوجود لوگ اس کی بے گناہی کو تسلیم نہیں کرتے اور انہیں کسی طور جینے نہیں دیتے۔ ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور ان کی زندگی کو اجیرن کر دیتے ہیں۔ محلے کے لڑکے انہیں مال مفت سمجھ کر آتے جاتے ان پر آوازیں کستے ہیں اور ان کی کردار کشی کرتے ہیں۔ محلے کے لوگ ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو سماجی بصیرت رکھتے ہوئے مصنفہ نے ماہرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس بے حس معاشرے میں جو لڑکی ایک دفعہ معتوب ٹھہرا دی جائے چاہے لاکھ کوشش کر لے اسے باکردار اور باحیا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کی ذات ہمیشہ کے لیے نامعتبر اور ناقابل اعتبار بن کر رہ جاتی ہے۔ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان کے گھروں میں بھی بیٹیاں ہیں وہ خدا کے قہر سے نہیں ڈرتے اور بہتی گنگا میں ہر کوئی ہاتھ دھونا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہ لوگ بے بس عورت کو ذلت و رسوائی کے تابوت میں بند سسک سسک کر مرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کی بیٹیوں پر الزام تراشی کرتے وقت اپنے گھروں کے اندر نہیں دیکھتے ہیں کہ ان کے گھروں میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اس نام نہاد معاشرے کی طرف سے دوسروں کی بیٹیوں پر کیچڑ اچھالے جاتے ہیں۔ لوگ بنا پرکھے اور بنا سچائی جانے دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں اور کرب کی بھٹی میں جلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ مصنفہ نے یہاں قاری کو دعوت فکر دی ہے کہ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بغیر سچائی جانے حقیقت پرکھے دوسروں کو اذیت میں مبتلا کریں، کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالیں، بہتان طرازی کریں، دوسروں کی کردار کشی کریں۔ ان کی ذات کو حقیر سمجھیں۔ انہیں ذلیل و رسوا کریں۔ یہ لوگ خود کو اعلیٰ سمجھ کر دوسروں کو کیڑے مکوڑے تصور کرتے ہوئے ان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اپنے گھروں پر دھیان رکھنے کے بجائے دوسروں کی زندگیوں میں جھانکتے پھرتے ہیں۔ اپنی جھوٹی انا اور شان و شوکت تو انہیں عزیز ہوتی ہے لیکن دوسروں کے عزت و وقار کی دھجیاں اڑانا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔

یہ کیسا بے حس معاشرہ اور بے حس لوگ ہیں جو دوسروں کی زندگیوں میں تکلیف، دکھ، درد، کرب اور اذیتیں بھر دیتے ہیں۔ جن کے دلوں میں ذرا بھی خوف خدا نہیں ہوتا انہیں دوسروں کو تکلیف پہنچا کر تسکین ملتی ہے۔ ایسا ہی ایک کردار مسز ریاض کا ہے جو اپنے عیاش اور بدکردار بیٹے کے لیے ضوفشاں کا رشتہ مانگتی ہیں اور لائبہ کے انکار کے بعد دونوں بہنوں پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتی ہیں۔ ضوفشاں افتخار مسز ریاض کو ان پر الزامات کا سختی سے جواب دیتی ہے اور کہتی ہے کہ انہیں نیک نامی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ان سے نہیں ہے۔ وہ اللہ کی نظر میں معتبر ہیں اور اس کی رضا میں راضی ہیں۔ ہمیں اس معاشرے سے کسی اچھے رویے کی توقع نہیں ہے آپ لوگ اپنی جھوٹی شان و شوکت کا رعب کسی اور کو دکھائیں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ مصنفہ ضوفشاں کے کردار کے ذریعے اس معاشرے کے مکروہ چہرے سے نقاب خوبصورت انداز میں اٹھاتی ہیں۔ "ہم بے غیرت نہیں، بلکہ آپ ہیں۔ جو جھوٹی عزت اور شان کا لبادہ اوڑھے جی رہے ہیں۔ آپ جیسے لوگ ہی ہم جیسے لوگوں کو مرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ معاشرہ کیا ہے۔۔۔ کیا حدود ہیں اس کی۔۔۔ ذرا اس کے بارے میں سوچئے! آپ جیسے معزز و محترم معاشرے کے عزت دار لوگ ہی بہتان بازی کرنے والوں میں سرفہرست ہوتے ہیں، جب کہ غلاظت کے ڈھیر آپ کے اپنے گھروں میں ہی وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔"[5]

---

[5] ایضاً، 106۔

یہ حقیقت ہے کہ ناول نگار زندگی سے حقائق کو چنتا ہے اور اپنے فنکارانہ انداز اور مہارت سے ان میں ربط، توازن اور تسلسل پیدا کرتا ہے۔ کہانی کو وسیع تر مفاد میں اتار چڑھاؤ سے گزرتے ہوئے ایک خاص تاثر کی تشکیل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ سمیرا شریف نے اس ناول میں ایک ایک کڑی کو جوڑ کر ایک خوبصورت کہانی تشکیل دی ہے اور زندگی کی ہر لمحہ رنگ بدلتی قوس قزح اور حقیقتوں کو پوری سچائی اور بہادری سے بیان کیا ہے اور معاشرے کی سچائی کو واشگاف الفاظ میں قاری کے سامنے رکھا ہے۔

مصنفہ کے اس ناول میں سماجی تلخ رویے اور منفی سوچ کو محسوس کیا جا سکتا ہے اس میں عورت کی محرومیوں، نامرادیوں، اذیت اور کرب کی تصویر کو بڑے ماہرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول میں ایک پہلو تو عورت کا معاشرتی استحصال ہے اور دوسرا پہلو ایک بہت خوبصورت دل کو چھو جانے والی محبت کی کہانی کا بیان ہے۔ اس میں یہ المیہ دکھایا گیا ہے کہ کبھی کبھی عورت کو اپنے ناکردہ گناہوں کی اتنی سخت سزا ملتی ہے کہ وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں اپنی ذات کی نفی کر دیتیہے۔ بعض اوقات زندگی میں کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے جو پوری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیتا ہے اور زندگی ساکت ہو کر رہ جاتی ہے۔

"زرد موسم کے دکھ" میں مصنفہ ایک ایسی کہانی بیان کرتی ہیں جو آزمائشوں اور تکلیفوں سے بھری ہوئی ہے۔ ایسا سفر جس میں کٹھن اور خاردار راستوں پر انسان آبلہ پا چلتا ہے۔ دنیا کے تلخ رویے ہر قدم پر انہیں گرانے اور ان کی ہمت کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اندر جینے کا حوصلہ ہر لمحہ دم توڑتا نظر آتا ہے۔ اللہ سے امید کی لو لگائے خود سے جڑے رشتوں کی خاطر زندگی کی جنگ لڑنی پڑتی ہے اور اللہ تعالی اس تاریکی میں روشنی کی کرنیں بکھیرنے کے لئے کسی نہ کسی مسیحا کو بھیجتا ہے۔ لائبہ افتخار کی زندگی میں روشنی کی وہ کرن فوزان صدیقی بن کر آیا لیکن اس بے رحم معاشرے نے ان کی زندگی میں مشکلات بھر دی۔ اس کا خیال تھا کہ معاشرہ ایک بار جس کو بدکردار قرار دے دے پھر کوئی اس بدنامی کے دھبے کو کبھی مٹا نہیں سکتا۔ یہ بے رحم معاشرہ انہیں کبھی بھی قابل احترام نہیں سمجھتا۔ مصنفہ نے معاشرے کے اس منفی رویے پر کڑی تنقید ہے۔

لائبہ کے اغوا کے بعد سب رشتے ان سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور وہ تن تنہا اس بے حس اور بے رحم معاشرے کے تلخ رویے اور الزامات کو برداشت کرتی ہیں۔ فوزان صدیقی اپنے بھائی زبیر کا رشتہ جب ضوفشاں کے لئے بھیجتا ہے تو ضوفشاں انکار کر دیتی ہے۔ صرف اس لئے کہ کہیں یہ معاشرہ اور اس معاشرہ کے پتھر دل اور ظالم لوگ ان کا جینا حرام نہ کر دیں گے۔ وہ اب اور الزام برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ اذیت یہ دکھ سہہ سہہ کر وہ تھک گئیں تھیں۔ ان کو اب سہارے بھی تکلیف دیتے تھے۔ یہ معاشرہ بہت بے رحم، ظالم اور بے حس ہے عورت کی چھوٹی سے چھوٹی خطا بھی ان کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی حثیت ان سوکھے تنکوں کی طرح جنہیں ہوائیں جہاں چاہیں ساتھ لے اڑیں۔ ان کے کردار کی پاکیزگی پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ لوگ ہر وقت ان میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے سروں سے زرد موسم کا سورج کبھی نہیں ڈھلتا۔ شکست اور دکھ ان کے مقدر میں لکھ دیے جاتے ہیں۔ وہ رات کے اندھیروں کی مسافر ساری زندگی روشنی کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ ان کی زندگی پل صراط پر چلتے چلتے ٹھوس زمین کی خواہش میں دم توڑ دیتی ہے لیکن یہ زمانہ اور اس کے بے رحم لوگ اپنے رویے اور ناروا سلوک سے ان کے جسم اور روح کو زخمی کرتے رہتے ہیں۔ اعتبار، بھروسہ اور یقین جیسے الفاظ ان کے لئے صرف لفظ بن کر رہ جاتے ہیں۔ وہ چاہ کر بھی کسی کی محبت پر بھروسا نہیں کر پاتیں۔ ضوفشاں اور لائبہ افتخار بھی ایسی ہی کشمکش کا شکار ہیں۔ جس کو قلم کار نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور ہماری آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے

ہوئے معاشرے کے منفی رویوں کو بدلنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ عورت بھی معاشرے کا اہم جزو ہے وہ بھی جذبات و احساسات رکھتی ہیں جنہیں یہ معاشرہ اور اس کے بے حس لوگ اپنے پاوں تلے روندتے چلے جاتے ہیں۔

"ہم لوگ آپ کے قابل نہیں ہیں۔ وہ لڑکیاں جو زمانے کی نظروں سے گر گئی ہوں، وہ بھلا کب معتبر ہوتی ہیں؟۔۔۔ ہم جیسی لڑکیاں ہر روز تنکوں کی طرح بکھرتی ہیں اور ہوا کے تند و تیز ریلے ان تنکوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑائے لیے پھرتے ہیں۔ لوگوں کے بے رحم پاؤں تلے وہ تنکے روز روندے جاتے ہیں۔ ہم بھی ایسی ہیں۔ بہت کوشش کرتے ہیں کہ زمانے کی نظروں میں قابل عزت ٹھہرا دی جائیں، مگر لوگ ہماری جانب خامیاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ان کی نظریں ایکسرے مشین بنی ہوئی ہیں جو ہمارے اور ہمارے گھر کی چار دیواری پر فٹ ہیں"[6]

ہر معاشرے میں عورتیں عدم تحفظ کا شکار نظر آتی ہیں۔ کہیں انہیں جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے تو کہیں انہیں ذہنی کرب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کوئی ان کا شریک درد نہیں ہوتا۔ انسانی حقوق کی پامالی کا دور دورہ ہے۔ لائبہ بے قصور تھی اسے اپنے والد کی ایمانداری اور فرض شناسی کا تاوان ادا کرنا پڑا۔ اور اس ظالم اور بے حس سماج نے ان کو بے سہارا سمجھ کر ان کا جینا حرام کر دیا۔ محلے کے لوگ ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے۔ ان کی نظریں ہر وقت ان کے دروازے پر لگی رہتی۔ جس نے ان کو ذہنی کرب میں مبتلا کرتے ہوئے ذہنی طور ہر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ سمیرا شریف طور کا یہ ناول جذبات و احساسات کا ایک خوبصورت مرقع ہے یہ ناول معاشرے کی ستائی ہوئی دو بہنوں کی زندگی کی کشمکش مسائل و مشکلات کی بڑی عمدگی سے ترجمانی کرتا ہے۔ مصنفہ نے اس ناول میں بتایا کہ کس طرح ایک معصوم لڑکی کسی بے ضمیر انسان کا نشانہ بنی اعلی طبقہ کا شخص اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے لائبہ کو اغواء کر لیتا ہے لیکن ایس پی فوزان صدیقی اسے بحفاظت بازیاب کر لیتا ہے لیکن بے گناہ ہونے کے باوجود اسے ساری عمر اس کے ناکردہ گناہ کی وجہ سے اپنوں کے طنز اور منفی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سمیرا شریف نے لائبہ کی زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی نفسیاتی کشمکش کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے۔ گہرا سماجی شعور رکھنے والی مصنفہ سمیرا شریف طور نے اس معاشرے کی حقیقت کو کمال فن سے بیان کیا ہے۔ اور اس سماج کی فرسودہ سوچ پر کڑی تنقید کی ہے۔

"نہیں پری یہ لوگ یہ محلہ کیا ہمیں جینے دیتا؟ کبھی بھی نہیں۔۔۔ میں یہ مزید ذلت نہیں سہہ سکتی اب اور کسی الزام کو سہنا نہیں چاہتی میں یہ الزام در الزام، ذلت در ذلت کا تکلیف دہ سلسلہ ختم کرنا چاہتی ہوں"[7]

"زرد موسم کے دکھ" کے نسوانی کردار اس بے حس معاشرے کی تنگ نظری اور منفی سوچ کی وجہ سے مصائب و تکالیف سہتی ہیں اور اپنی بقا کی جنگ لڑتی دکھائی دیتی ہیں. سمیرا شریف طور نے اپنے اس ناول میں معاشرے کے اس غلط اور بے بنیاد سوچ کی نفی کی ہے کہ ضروری نہیں ایک اغوا شدہ لڑکی داغ دار ہی گھر لوٹے اور ہم اس پر زندگی کی ساری خوشیاں حرام کر دیں اس کو مسلسل الزام تراشی کا نشانہ بنائیں لیکن ہمارے معاشرے میں ایسا ہی ہوتا ہے اسے کسی اور کے کیے کی سزا ہمیشہ سہنی پڑتی ہے اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے وہ چاہے اپنی جان کی بازی بھی لگا دے کوئی اس پر یقین نہیں کرتا اور خسارہ اس کے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے اس کے ساتھ جڑے رشتے بھی اس سزا کو بھگتتے ہیں۔

---

[6] ایضاً، 142۔

[7] ایضاً، 134۔

"اس دنیا اور اس معاشرے نے ہمیں ذلت ورسوائی، خود اذیتی اور خود ترسی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ جس اذیت سے میں گزر رہی ہوں ضوفی اس سے محفوظ رہے "[8]

ناول نگار یہاں لائبہ افتخار کی بے بسی کی تصویر پیش کرتی ہیں جو چاہتے ہوئے بھی اپنی بہن کو اس اذیت اور اس دکھ سے محفوظ نہ کر سکی جو اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اس کھوکھلے معاشرے کے بے حس لوگوں نے ان کے خوابوں کو تعبیر سے پہلے ہی ان کی آنکھوں سے نوچ لیا تھا۔ عورتوں کی نفسیات اور فطرت کا مطالعہ سمیرا شریف طور نے بہت قریب سے کیا ہے یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی تکلیف دکھ اور ذہنی خلفشار سے چھٹکارا پانے کے لیے خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کی دلی کیفیات کو اس کے چہرے پر کوئی پڑھ نہ پائے۔ ہمارے معاشرے میں مرد کو تو مکمل آزادی حاصل ہے لیکن بے چاری عورت ذات کو سماجی برابری اور حقوق سے محرومی کا ہمیشہ سے سامنا کرنا پڑتا رہا ہے۔ سمیرا کے ناول کے تمام کردار اسی معاشرے کا حصہ ہیں اور روزمرہ زندگی کے حالات و واقعات کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ مصنفہ نے اس ناول میں زندگی کی الجھنوں اور معاشرتی رویوں سے نبرد آزما ہونے والے افراد کی زندگی کی حقیقی تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے انہوں نے اپنے اردگرد کی عوامی زندگی کے سماجی رویے کو دیکھا پرکھا اور پھر اس کا رنگ کہانی میں شامل کر کے بہت مہارت کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کیا۔ سمیرا شریف گہری سماجی بصیرت رکھنے والی ناول نگار ہیں عورت سے محبت کا رنگ ان کی تحریروں میں جابجا نظر آتا ہے ان کی سوچ ان کی تحریر ان کی فکر میں عورت ذات کا درد موجود ہے۔ ان کی تخلیقات میں کوئی نہ کوئی مقصد اور مثبت پہلو نظر آتا ہے وہ عورتوں کو سماجی رویوں کے شکنجے سے آزادی دلا کر خود اعتمادی، یقین اور بھروسہ ان کی شخصیت کا حصہ بنانا چاہتی ہیں اور عورت کو وہ ایک مضبوط سماجی رکن کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔

"زرد موسم کے دکھ" یہ قسمت کی بساط پر بے بس اور مجبور لڑکی کی کہانی ہے جنہیں حالات اور زندگی نے ہر قدم پر آزمایا۔ وہ اپنی زندگی اور اپنے وجود کی بقا کے لیے تن تنہا اس ظالم سماج کا مقابلہ کرتی رہیں۔ صرف اس امید پر کہ اللہ تعالی ان کی مشکلات کو حل کرتے ہوئے انہیں آزمائش سے نکالے گا۔ امید کے سفر میں ان کے پاؤں چھلنی ہو گئے۔ سمیرا کا یہ ناول اس معاشرے کی بے بس عورت کے مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔ اس معاشرے کا المیہ ہے کہ عورت بے قصور ہوتے ہوئے بھی ساری زندگی قصوروار ٹھہرا کر ظلم وستم اور ناروا سلوک کی حقدار ٹھہرائی جاتی ہے۔

"عرصہ بیت گیا ہے مجھے یہ آبلہ پائی کا سفر برداشت کرتے لوگوں کی تحقیر بری نظروں ان کے طنز اور تمسخر میں لپٹے فحش جملے، ایک عرصے سے سہہ رہی ہوں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا، کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا، پھر یہ آزمائش ختم کیوں نہیں ہوتی۔ اگر زندگی ہر ایک کو آزماتی ہے تو چند سکھ بھری گھڑیاں بھی نصیب میں کرتی ہے، پھر میری سزا اتنی طویل کیوں ہو گئی ہے؟ اتنی طویل کہ نہ میں اپنے جینے کی کوئی دعا کر سکتی ہوں اور نہ مرنے کا سامان"[9]

مصنفہ نے لائبہ افتخار کے کردار کے ذریعے اس پتھر کے بنے معاشرے کی مکروہ شکل سے پردہ اٹھایا ہے اور ایک بے سہارا اور مجبور معاشرے کی ستائی ہوئی عورت کی قلبی کیفیت اور ذہنی الجھاؤ کو پوری سچائی سے بیان کیا ہے۔ اللہ تو انسانوں کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن یہ معاشرہ کبھی بھی کسی انسان کو سکون سے جینے کا حق نہیں دیتا۔ انسان کا ماضی ایک آسیب کی طرح اس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ اور اس پدرانہ سوچ کے

[8] ایضاً، 146۔

[9] ایضاً، 62-63۔

حامل معاشرے میں عورت ازل سے پستی آئی ہے۔ ایک عورت چاہے کتنی ہی بہادر کیوں نہ ہو یہ سماج اکیلی عورت کا جینا حرام کر دیتا ہے۔ وہ لاکھ بار کوشش کر کے کہ بھی اس معاشرے میں تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ قدم قدم پر اسے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ ظالم اور سفاک معاشرہ اس کی زندگی سے خوشی کا دس نچوڑ کر اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے۔ لائبہ افتخار ایک مضبوط اعصاب کی مالک لڑکی تھی زندگی کی تلخیاں اور لوگوں کے طنز سہہ سہہ کر وہ ایک مضبوط چٹان بن چکی تھی۔

"ہونہہ، چٹانوں کا سا حوصلہ۔۔۔ میں نے اس سے بڑے حوصلہ کیے ہیں اپنی تڑپتی ماں کو موت کی آغوش میں سوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنے ماں باپ کو اپنے دکھ پر جان مارتے دیکھا ہے وہ دونوں چلے گئے۔ سب ساتھ چھوڑ گئے۔ اس کے باوجود میں زندہ ہوں کیا یہ حوصلہ کم ہے۔ اگر میں نے چٹانوں کا حوصلہ نہ کیا ہوتا تو اس وقت آپ لائبہ افتخار کی قبر پر کھڑے ہوتے اس کے سامنے نہیں"[10]

وہ معاشرے اور اس کے ارد گرد کی زندگی کا گہرا ادراک رکھنے والی مصنفہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ قلمکار زندگی سے ہی حقائق کو چنتا ہے اور اپنے ماہرانہ اور فنکارانہ انداز سے ان میں ایک ربط اور تسلسل پیدا پیدا کرتا ہے ہے اور اس تاثر کی تشکیل کرتا ہے جو قاری کو اپنے جادو میں مبتلا کر دیتی ہے ہے مصنفہ نے اس ناول میں ایک کڑی کو جوڑ کر ایک خوبصورت کہانی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور زندگی کے ہر لمحہ رنگ بدلتی کو سزا اور حقیقتوں کو پوری سچائی اور ایمانداری سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور معاشرے کی اچھائی کو واشگاف الفاظ میں تاریخ کے سامنے پیش کیا ہے۔ مصنفہ نے اس معاشرے کے تلخ رویے اور منفی سوچ کو کو قاری کے سامنے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کی نامرادیوں محرومیوں قرب دکھ اذیت انداز میں بیان کیا ہے۔

"میں خود کو لاکھ بے گناہ پاک صاف گردانوں، مگر یہ دنیا والے مجھے نہیں بخشیں، گے ایک آگ اور آزمائش کا دریا تھا، جو عبور کر آئی تھی، بحفاظت و عزت کے ساتھ، مجھے لگتا ہے میرے کانچ کے پر ہیں، میں روز اس سمندر کے اوپر سے گزرتی ہوں روز پگھلتی ہوں، میری زندگی مجھے روز جوڑتی ہے مگر میری آزمائش ختم نہیں ہوتی۔۔۔ ایک اغواء شدہ لڑکی کی زندگی اصل میں یہیں سے شروع ہوتی ہے مشکل کے بعد مشکل ذلت کے بعد ذلت۔۔۔ مگر یہ سلسلہ کہیں پر بھی جا کر رکتا نہیں"[11]

مصنفہ معاشرے کی حقیقی تصویر کشی کرتی نظر آ رہی ہیں لائبہ جس کو اپنے والد افتخار احمد کی حق پرستی، ایمان داری اور فرض شناسی کے جرم میں میں زوہیب نامی ایک شخص اغواء کر لیتا ہے لیکن جب وہ باحفاظت واپس آتی ہے تو اسے ہر روز ایک نئی آزمائش اور امتحان سے گزرنا پڑتا ہے ہر روز جلتے صحرا کی تپتی ریت پر ننگے پاؤں چلنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ بے حس اور ظالم روایات کا پابند معاشرہ اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتا ہے۔ سمیرا شریف طور نے معاشرے کے منفی رویوں اور مکروہ رسم و رواج کی زنجیروں میں قید عورت کی ناقابل فراموش قربانیوں کو اپنی تحریروں کا موضوع بنا کر قلم کا جادو جگایا ہے، جس سے وہ ایک گداز اور دردمند اور نرم دل رکھنے والی عورت نظر آتی ہیں جس نے عورت کی عصمت، وقار، مقام و مرتبہ اور عزت کے لیے قلم اٹھایا اور اپنے موضوع سے انصاف بھی کیا، جو حقیقت میں ادب برائے زندگی کا ثبوت ہے۔ نایاب جیلانی "زرد موسم کے دکھ" کے پیش لفظ میں لکھتی ہیں۔

---

[10] ایضاً، 63۔

[11] ایضاً، 147۔

"زرد موسم کے دکھ" میں سمیرا کی تحریر میں اور پختگی نظر آئی۔ بہت مستحکم، مضبوط اور پائیدار انداز تحریر۔ دکھ، اذیت، تکلیف کے سفر میں راحت، خوشی، شادمانی تک اور خواہش، تمنا اور مراد کے قریب پہنچنے کے دوران لمحہ لمحہ، قطرہ قطرہ پگھلا دینے والے لفظوں کی حرارت ہمیشہ کے لئے یادگار کردار چھوڑ گئی۔ شام کے سفر اور رات کے اندھیروں کے مسافروں کو سمیرا کے قلم نے جس پختگی، روانی اور سبھاؤ سے منزل تک پہنچایا، یہ کسی "رزم" سے کم نہیں۔ ایقان، اعتبار، یقین کے کمزور پل صراط پر چلنے والوں کے پیروں تلے ٹھوس زمین آگئی۔ یہ تحریر اپنے تمام الفاظ کے چناؤ اور موضوع کے اعتبار سے الکر "ریعنی مثالی اور منفرد مقام حاصل کرے گی یہ سمیرا کی امحان نظری کا کمال ہے کہ وہ کرداروں کو انصاف کے امتحان سے گزار کر بہت سلیقے سے اختتام تک لاتی ہے"[12]

سمیرا اشریف معاشرے میں مجبور اور لاچار عورت کے احساس و جذبات اور محسوسات کو سمجھتے ہوئے ان کے نفسیاتی الجھاؤ کو قاری کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ان کے نسوانی کردار اپنے حقوق کے تحفظ اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور استحصال کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ ہمارا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں ایک اکیلی اور مجبور عورت کو ہمیشہ سے ہی کمزور اور ناتواں سمجھ کر دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عورت اپنے تشخص کی حفاظت کے لیے ہر لمحہ کوشاں نظر آتی ہے۔ کالم نگار غزالہ کشور ملک اپنے ایک کالم میں ان کی ناول نگاری کے بارے میں لکھتی ہیں۔

"ان کے ناولوں میں روائتی کہانیاں ہیں جو سماج کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ معاشرے کے داخلی و خارجی عوامل کو ہی انہوں نے اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے۔۔۔ مصنفہ نے ہمیشہ حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ موضوع پر ان کی مضبوط گرفت اور ہر لفظ میں ایسا درد، ایسی محبت، ایسا سحر کہ پڑھنے والا ہر کردار کے ساتھ سانس لیتا ہے"[13]

سمیرا اشریف کے کردار اور کہانیاں ہماری روزمرہ زندگی سے جڑے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں اور کہانیوں کے ذریعے معاشرے کی حقیقت کا بیان بڑے ماہرانہ انداز سے کرتی نظر آتی ہیں۔ ہمارے سماج میں عورت کو ہمیشہ سے ہی پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا رہا ہے اور مرد ہمیشہ عورت کو زیر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پدرانہ سوچ رکھنے والے معاشرے میں مرد عورت ذات کو ہمیشہ کمزور، بے بس، مجبور اور خود سے کمتر سمجھتا ہے عورت کبھی خاندانی روایات کے نام پر کبھی ماں باپ کی عزت کی خاطر اور کبھی معاشرے کی نام نہاد رسومات کی خاطر پستی چلی جاتی ہے۔ سمیرا اشریف معاشرے کے تلخ حقائق کو اپنے ناولوں میں پوری سچائی کے ساتھ بیان کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں اکثر عورت ذات پر مرد کے ظلم و ستم اور ان کے جذباتی و روحانی اور ذہنی استحصال کا بیان ملتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ طبقہ نسواں کے حقوق کے حصول کی جنگ میں ان کا ساتھ دیا جائے۔ انہیں معاشرے میں ان کا جائز مقام و مرتبہ دیا جائے تاکہ وہ آزاد اور خود مختار معاشرے میں آزاد اور خود مختار رکن کا کردار ادا کرے۔

☆☆☆

[12] نایاب جیلانی (پیش لفظ) سمیرا اشریف طور، **زرد موسم کے دکھ** (لاہور: القریش پبلی کیشنز، 2012ء)، 6۔

[13] غزالہ کشور ملک، **"ناول نگار اور منفرد قلمکار: سمیرا اشریف طور"** (بھکر: روزنامہ بھکر ٹائم، شمارہ 04/ دسمبر 2019ء)، 07۔